

نفوس۔ محبت کی تلاش

ایک ایسی تحریر جسے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ
دل کی آنکھوں سے پڑھنے کی ضرورت ہے

(صلوات اللہ علیہ)

ترکوں نے چار ہزار اپنی دور حکمرانی کے دوران رسول پاک ﷺ کی ولادت
باستعدادت سے منسوب کی تھی۔ آپ نے احوال مہربان ملک کے بڑے بڑے واپستہ ہر جہت سے
روحانی، تاریخی اور سماجی کی حیثیت سے آئندہ مسلمانوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ
کام غیر شعوری سطح پر تو سمجھ رہی تھی کہ اس سے جاری تھا مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے
تھے اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو۔ اس کام کے واسطے جنوں کی
حد تک رسول پاک ﷺ سے محبت اور انسانی حواس کی حدود تک نفاست اور غی سچائی کی
ضرورت تھی۔ یہ رحمت ترک لمن میں موجود تھی اس واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل
کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطہ زمین پر آپ کا نزول ہوا اور آپ کا پہلا قدم مبارک پڑا
کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپ کی آواز کا گداز پہلی بار
برداشت کیا کہ جس کی سہارے پہلے پرندے کی پکار آپ تک آئی اور پھر جس خطہ کے غم
سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپ کو اور آپ نے پہلی بار ان کو دیکھا کہ جہاں جہاں آپ
کی چپکی میں مسے ستاروں کا قوس ہوا اور جس جس عورت آپ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان
کی دیرپائی حرکت کو واحد کر کے اپنی لہو میں سمویا کہ یہ قدر آور لے، گوشتے، چپے اور جوا اور
نیپائی بھرا اور شہوانی کے شیش اول شخص رسول اللہ ﷺ ہی کے نہیں، بلکہ آئی دنیا تک ہر نے
گلے گو کے ہو کہ اول، انبی، آہنی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا ہوا ان تمام
چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے چپے پا کر اس بڑے ہوتے ہوئے بچے میں مومعد

کی شخصیت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا مگر سب سے پہلے انہوں نے بدینہ منورہ میں
اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں مرنے سے پہلے ایک غور و اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر
سے دور، بخار کی گرمی اور سہیلی کو مٹانے کے واسطے ایک شام، چند لحظات کے واسطے گشت
کیا تھا اور پھر اپنی تم میں خالص صورت اور من کھریدی گویا اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم
بچے کو شمیم اور ب سہارا چھوڑ کر اپنی تہا میں اپنے دل ہی میں لیے مر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک بیانی کی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا کہ جس کی
پہلی منزل پر شبلی کی جانب قائم ایک چھوٹے سے بالکن چوکور کمرے میں کہ جہاں چہار
آئینوں کو اس میں چہار سمتیں ملتی تھیں، ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی، نامور میں آیا
تھا۔ پھر اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محبت اور سورج کھلانے ہاتھوں سے اپنی
ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر
اس ضعیف انسان نے چادر میں لپیٹے ہوئے نوزائیدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی
جانب بلند کیا تھا اور دعا کی تھی کہ اے خالق کائنات اس بچے پر رحم فرما، اس واسطے کہ یہ بے
آسرا اور غم ہے۔ ترکوں نے اس شبلی کمرے، اس آبائی پگڈنڈی اور اس دعا کے مقام کا
تجسسی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے خاموش ریگستان کی سنگم پر اس جگہ کو بھی دریافت کر کے
محفوظ کیا تھا کہ جہاں اس دعا کے کوئی چھ برس بعد اپنے چہاں مرگ خاوند کی قبر سے وابستہ ہے
اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے پکڑے جب اس کم سن خاتون نے ایک رات
کے واسطے پڑا کیا تھا تو اوقات پائی تھی۔

اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ نہ دیکھا
نہ اب آہستہ آہستہ دفنائیں ہو رہا تھا، آخری بار دیکھا تھا اور پھر اپنی ماں کو اپنے کپے کپے
ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر قافلے کے ساتھ اپنی مقدس کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں
نے اپنی مثالی دہشتگی، سادگی، سخاوت اور خوش اسلوبی سے ایک کہنہ بیان بھی چھوڑ دیا تھا کہ

رکھتے ہوئے تفریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ مسجد نبوی ﷺ کے قوراعہ نصب ہوئے تھے۔

اس طرح وہی جگہ اور وہی چوڑا اور وہی چھڑا بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اول میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نبی بھی ہوگئی اور اپنے اصلی اور اول خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقہ کار کی غرض ایک قدر بے مہموئی مثال ہے۔

جب ۳۵ برس کے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار بھر دیں لے آئی جہاں وہ ۵۳ سال گردشوں پہلے تھا۔ تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا تھا اور رسول پاک ﷺ نے نہ اپنے کارِ رخ کیا تھا۔ سوترک بھی اس آباؤی راستے پر چل نکلے تھے۔ غارتور کو انہوں نے کچھ نہ کہا اور یہی مناصب سمجھا کہ نہ تو اس کے جانے صاف کریں اور نہ ہی بہترین کے صدیوں پرانے محو نشاؤں کے جھاڑ جھکاڑ کو کاٹیں یا بنائیں۔ غارتور کو انہوں نے مکتزیوں اور کپوتوں کے پیر رہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غارتراکب کی نہایت ہی مشکل چڑھائی کو بھی انہوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی تاکہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اجاضرور کیا کہ وہ تباہی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی مانہ بناری تاکہ بارش کا پانی کبھی بھی جمع ہو سکے اور بچے، بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران یہاں بچھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے لے کر بدینے کے اطراف میں قائم بنونجار کی کچی بستی تک جہت کے راستے کا ختمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پہنچے تو بنونجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کچھے آدوں کو تلاش کیا اور سینہ بہ سینہ محفوظ خان کی لوگ گیتوں کو پہلی ہرقلم بند کر کے باقاعدہ محفوظ کیا۔ مسجد تباہ نہایت ہی بھر سے تباہ کرنے کے بعد وہ کچھ میراں کنوئیں کی منڈیر پر بھی سستہ نے کھینچے کہ جہاں جہت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسول پاک ﷺ نے قیام فرمایا

تھا اور جس کو دیکھ کر آپ نے اونچے ہوتے پانی میں اپنے چہرے کا شفاف عکس دیکھ کر پہلے ایک لمحہ توقف اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اسی کنوئیں سے اب راستہ بدینے کو جانا تھا۔ بدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپ کی آمد سے کوئی ۵۳ برس پہلے، ایک شام، مرنے والا پہلے ایک خوبڑ اور کم عمر لڑکا جو ان نے اپنے گھر سے دور اپنے ہمار کی گرمی اور بی چینی کو مٹانے کے لیے چند کھات کی واسطی ٹٹٹ کیا تھا اور پھر اپنی کم سن و خواصورت اور اس کچھ بیوی اور ابھی ماں کے بدن سے میں قائم بچے کو تنہا اور بے سہارا چھوڑ کے اپنی تمنا میں اپنے دل سے لیے فوت ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبوی کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر بھی ایمان، ہنرمندی، پاکیزگی اور لطافت کی ایک عجیب انوکھی داستان ہے۔ پہلے پہل برسوں تک ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسجد نبوی کو تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کاغذی اور انسانی حدود سے ماوراء طاقتوں کے بس کا عمل تھا اور وہ محض انسان تھے۔ مگر جب انسان بچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سبب ہی انہوں نے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں کی اپنی وسیع الطول اور پھر پورے عالم اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس ختمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علوم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، بھٹان، وسطی ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، یونان، بحالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں اور نہ جانے عالم اسلام کے کسی کس کو نے اور کس کس چہچہ سے نقشہ نویس، معمار، سنگ تراش، بنیادیں زنڈ کی زندہ رگوں تک اتارنے کے ماہر، چھتوں اور سہائوں کو ہوا میں معلق رکھنے کے ہنرمند، خطاط، بچہ کار، شیشہ گر اور شیشہ سار، کیمیا گر، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین فلکیات، ہذاؤں کے رخ عمارتوں کی دھار کو بٹھانے کے ہنرمند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ

حکوم کے ماہرین، اساتذہ، پیشہ ور اور ہنرمندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس اثری بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بے حد دور، ایک چٹیل ریگستان میں جنت کی کیاری کے کنارے، ان کے رسول کی قیام گاہ پر تعمیر ہوئے تھے اور وہ اور ان کے ہنر اہل ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک امید تھی، مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیار اور مکمل اطاعت پر ان کو تعجب ضرور ہوتا تھا۔ ہر کیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً ہر شاخ، اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی اور حکومت کے اہل کار اپنے حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور اس ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہلکاروں اور سفیروں کا یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے اہل و عیال کو، اگر وہ چاہیں، قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطان وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ کے باہر میدانوں میں ایک خود کفیل اور کشادہ ہستی چار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچے شروع ہوئے تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی ہستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس محل میں کوئی چند روزہ برسی گزر گئے، مگر اب یہ یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ اس ہستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین ذکاوت جمع ہو چکے ہیں۔ اب خود سلطان وقت اس نئی ہستی میں گھبرا اور اس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا۔ ہر ہنرمند اپنے سب سے ہونہار بچے یا بچوں کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد کا انتخاب کرے اور اس بچے کے جوان ہونے یا چھوٹے عمر کو پہنچنے تک اس کی بدن اور من میں اپنا مکمل فن منتقل کر دے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا

کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن کریم پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کروائیں۔ ساتھ ساتھ عوامی بھی سکھے۔ اس تمام تعلیم تربیت اور تیاری کے واسطے بچپن برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔ اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر، محنت اور جہت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

چنانچہ بچپن برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشو و نما پر کریم بنار ہو گئی۔ یہ تئیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور تنگ الطوار نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ جو شخص اپنی اپنی آبائی اور خاندانی فہون ہی میں یکتا اور عوام نہیں تھے، بلکہ اس جماعت کو ہر فرد حافظ قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شیوار بھی تھا بچپن کے لئے اول سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چہیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز کہیں بے حدود و ر، ایک چٹیل ریگستان میں، جنت کی کیاری کے کنارے اپنے رسول کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلان اول سے لے کر اب تک کوئی تئیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے اور مسجد نبوی کے معمار، جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے، تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنرمندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترکہ حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے ساز و سامان اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ حکومت کے شعبہ کارکن کی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رنگ و روپ کے پتھر کی بالکل نئی کابینیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کی جانے وقوع کو اس حد تک حیدر باز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبوی میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور ان چھوٹے جنگل دریافت کیے گئے اور ان کو کثرت کران کی نگری کو تئیس برس تک عمارت کی آب و ہوا میں آسان تلے منوایا

گھیا۔ رنگ حاصل کیے اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے تجارے کی ریت استعمال کی۔ وہ چھ کاری کے قلم اتران سے بن کر آئے، جب کہ خطائی کے واسطے پیرے دریائے جمن اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اکٹائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت تیار ہوئی، ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولینوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان ہنرمندوں کی جماعت کے نہایت ہی احتیاط سے منظم، پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے تجارے کی سر زمین تک پہنچا دیا گیا کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کی تعمیر کے دوران رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہوئی تھی، تو پھر ساز و سامان مدینے سے رکھا جاتا۔ آخر یہ چار فرسنگ (پارہ میل) دور کیوں؟ اس کی وجہ ترک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بڑی عمارت تیار ہوئی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جنسامت کے ہزاروں پتھر کاٹی جانے تھے، بڑے بڑے چٹان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کابل حد امکان تھا، جبکہ وہ پہچانے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرا برابر بھی کوئی شور نہ ہو ورنہ جس نقصانی ہمارے رسول کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سنیں ہوئی تھی، وہ اپنی جیاد سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام کہ جس میں ذرا سا بھی شور کا امکان تھا مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چٹائی کے دوران کسی پتھر کی کٹائی ذرا زیادہ طاقت ہوئی یا کوئی چٹان یا جگہ ٹکا چھوٹا یا بڑا ہوا، تو اس کو کھلت میں ٹھونک بجا کر وہیں رسول پاک کے سر ہانے ٹھیک نہ کیا گیا، بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور درست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات

کیا تھے۔ ہماری پوجہ نہایت سست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتاری اور پھر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔ جبکہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا اور پھر پانچ سو کیلک بھگ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اسی بستی میں آ کر سکونت پائی، تو سب کچھ اب اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنی تحقیقی عمل میں یہ نوکار و ہنرمند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیے گئے کہ اول یہ کہ تعمیر کے لئے اولیٰ سے لے کر لمحہ تک اس جماعت کو ہر ہنرمند اپنے کام کے دوران باوجود ہر دور دوم یہ کہ اس دوران وہ ہر لمحہ تلاوت قرآن جاری رکھے۔ جو باوجود حافظہ قرآن ہنرمندوں کی یہ جماعت پورے ہندو برس تک مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف رہی اور پھر ایک صبح اٹھا کہ مسجد نبوی کے خلائی نشان کی چوٹی سے خیر کی اذان سننے، زمین سے نہایت ہی گھڑو سے اور ایمان سے اٹھی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

تعمیرت کیسی ہے، کیا ہی، کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے؟ اس کی بارے میں تو ایک کتاب لکھوں گا۔ یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو تو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے۔ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کے اس کو دیکھو تو یہ کہیں اور، اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر، خلائ، ہوا، آواز، لہجہ، ریت، اپہان اور نور نے مل کر صبر کی ایک جی بستی کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ کے دھبے ہیں تو ان کی بستی میں ہے رنگ کا دھبہ گا اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بستی کو مکمل معنی ہی نہیں دیتا، بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور معنی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرنا ہے اور اوقات کے اس مرکز

سے ہم کو اپنے رسول ﷺ کی آوازیوں آنی ہے کہ جیسے خلا محفوظ رکھی ہو اور آواز بھی، کہ جیسے آواز پر بندہ بھی ہوا اور ہو بھی کہ اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اگے تو کبھی نور کی واہیوں میں اندھیرا ٹھونک ایک شجر ہو کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ سو جب ربیاض البشر میں اس خلا کے غم پر اپنے رسول ﷺ کے سر جانے بھولتا کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور نسبت کی کیا حدود۔ اور پھر وہ بے نام ہر مند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہمر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسول ﷺ کی قیام گاہ کی حیوے سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے غم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں شخص ان کا ہر ہی نہیں بلکہ ان کے ہمر کا غیب بھی محفوظ ہے۔ اور پھر ان کے واسطے دعا

ہمارے پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

پھر کئی صدیاں بیت گئیں۔

اندرونی سازشوں اور بیرونی غیظوں کے دباؤ کے تحت برائی حکومتیں کمزور اور نئی حکومتیں اور طاقتیں ظہور میں آتی رہیں۔ پھر زب مائوس صدی کا آغاز ہوا تو پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس جنگ میں عثمانی حکومت نے انگریز فرانسس اور اطالوی طاقتوں کے خلاف جرمن قوم کا ساتھ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں ترک جرمن محاذ کو شکست ہوئی اور فتح پانے والوں نے جہاں جرمنی کے ٹکڑے کر کے حکومت کے ساتھ ساتھ ان کے اجتماعی وقار کو خاک میں ملا دیا وہاں ترکمانی مائوس بھی خون کے ساتھ ساتھ بہہ کر خاک میں شامل ہو گیا اور عثمانی حکومت کی کشادہ حدود بھی فاتح نوے نے عثمانی سلطنت کے خطوط پر حکومت کرنے کے دو طریقے رائج کیے۔ پہلا طریقہ براہ راست حکومت تھا اور جہاں براہ راست حکومت ممکن نہ تھی۔ وہاں ایک خاص منصوبے کے تحت ایسے قبیلوں، سیاسی جماعتوں یا افراد کو سہارا یا طاقت دینا طے پایا تھا کہ جن کی وساطت سے محض دائرہ اثر ہی کو قائم نہ رکھا جاسکے، بلکہ ہو سکے، انوکھ اسلوب میں مزید انتشار اور کشیدگی بھی پھیلانی جاسکے۔

ترکوں کی جنگ عظیم میں شکست کے بعد جزیرہ نما عرب میں جن طاقتوں نے ملاقاتی و فرائضی کا فائدہ اٹھا کر کھلم کھلا ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیے تھے، ان میں صوبہ نجد کے ایک پیش رو ہاشمیوں کا سعودی فیملی بھی شامل تھا۔ جنگ عظیم کے دوران ہی یہ لوگ ایک خفیہ معاہدے کے تحت انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے انگریز یہ چاہتا تھا کہ جنگ عظیم کے دوران یہ قبیلہ اپنی بغاوتوں، حملوں، جنگوں اور چھاپوں وغیرہ سے ترکوں کا اتنا ٹک کرے اور ہر سر پیکار دیکھے کہ مشرق وسطیٰ میں انگریز حملہ آوروں کی طرف پوری طرح دھیان نہ دے سکیں۔ اس کے عوض انگریز نے عہد کیا تھا کہ اگر وہ جنگ جیت گیا تو وہ پہلے نجد اور پھر جزیرہ نما عرب پر اس فیملی قبیلے کا تسلط قائم کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ انگریز انگریز کا عہد تھا جو کہ کم از کم دو طرفہ ضرور ہوتا ہے۔ سو یہی عہد انہوں نے تیار کے چھینی قبیلے سے بھی کیا ہوا تھا۔ اس جو خیر دونوں طرف ناموں میں مشترک تھی وہ بھی ترکوں کی شکست اور جزیرہ نما عرب سے انخلا۔

پھر کین ترکوں کی ہار کے بعد فاتح طاقتوں (اور بعد میں امریکہ) کے ایماء اور انداز پر سعودیوں نے اپنے علاقائی حریفوں کو آخر کار شکست دے کر ۱۹۲۱ء میں صوبہ نجد پر اپنی عمل داری اور بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ عالمی جنگ کے اختتام ہی ترکوں نے جان لیا کہ حجاز کا نظام حجاز کے سربراہ قبیلے کے سربراہ کے سپرد کرنے کے بعد وہ حجاز میں اپنی حکومت صرف فوجی طاقت کے ذریعے قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حملے کی صورت میں حجاز پر لہو بہانا لازم ہو جائے گا اور خدا انھو استے کے اور مدد سے جس کو ملی چلائی لازمی ہو جائے گی۔ یہ کیفیت ترک لیکن اور فطرت کے بالکل برعکس تھی۔ سو کچھ عرصہ سوچ بچار کے بعد حجاز کی ترک گوہر کا حکم ہوا تھا، اور ترکوں نے خانہ کعبہ کے گرد آخری بلوائی کر کے نجد نبوی کی دلیلیز کو آخری بار پھو مایا تھا اور خاک حجاز سے ہمیشہ کے واسطے چلے گئے تھے۔ اب اہل نجد اور اہل حجاز دونوں جزیرہ نما عرب کے بادشاہت

کے خواباں تھے اور دونوں کو انگریز کی حمایت حاصل تھی۔

اس سیاسی خلا کو سعودیوں نے پُر کیا اور ۱۹۲۴ء میں مکہ پر اور ۱۹۲۵ء میں مدینے اور جدے پر قبضہ کر کے بعد اس نجدی قبیلے کے سردار نے ۱۹۲۶ء میں نجد و حجاز کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہاں سے حجاز پر سعودیوں کی حکومت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور ابھی تک جاری ہے۔ آخر یہ سعودی کون ہیں؟

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، جزیرہ نمائے عرب کے ایک مشرقی صوبے نجد سے ان کا تعلق ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ رسول پاک ﷺ کی وفات میں جس قبیلے نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر آپ ﷺ کے وصال مبارک کے فوراً بعد ہی جو قبیلہ اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، وہ بھی سعودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ہی کی سرکوبی کے واسطے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ نجد کی طرف روانہ کیا تھا اور ایک جنگ میں شکست پانے کے بعد ان میں سے کچھ پھر سے اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کے آثار ایک کھنڈر کی صورت میں ابھی تک قائم ہیں۔ نسبیات کے جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ مسئلہ بن کذاب کا تعلق بھی اسی قبیلے کی ایک مرکزی شاخ سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نہایت ناک فائدہ مگر حجاز میں اقتدار سنبھالنے کے بعد جو بدسلوکی انہوں نے رسول پاک ﷺ کی نسبت تاریخی، خیالی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشانات کے ساتھ کی ہے۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ علم نسبیات کے ماہرین کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔

پھر اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ایک شخص محمد بن عبداللہ نے انہی میں سر اٹھایا تو ان کی بلا سوچے سمجھے گائے والی تلواروں کی تقریر کی سہار لی اور اس کی تقریر کو جس پر بنام دماغ کی بڑ سمجھ کر کوئی کان نہ دھرتا تھا، ان کی تلوار اور شاطرانہ خصلت کی سہار سے طاقت

حاصل ہوئی، حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک محمد بن عبداللہ اور ان کے سعودی سر پرست کی اتنی جنت ہوئی کہ ان دونوں نے مل کر عالم اسلام کے ہر بادشاہ اور فرماں روا کو غلطو کہیے۔ ان غلطو کہیوں اور باتوں کے بعد عیپ کے بند کے طور پر مسترد و ذیل عہدت درج تھی۔

ابن ایک ہے اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں مگر محمد (ﷺ) کی تعریف کرنا ان کی تعلیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ (العود باللہ من ذالک) آج تک سعودی اپنی خصلت ابھی ہے۔

نجد حجاز پر قبضہ ہمانے کے فوراً بعد ہی جو سب سے پہلا کام سعودیوں نے کیا تھا، وہ حجاز کے علاقہ نجد سے رسول پاک ﷺ کے نام کو گھونکنے کا تھا۔ مسجد نبوی، خانہ کعبہ کی مسجد اور اس کے ماحول و جہاں جہاں جس عمارت اور مسجد پر محمد ﷺ کا نام نہایت ہی فن اور محبت سے کندہ تھا، اس کو نہایت ہی بھونڈے پن سے مٹا دیا گیا۔ ایمان و محبت، امن و خطائی اور دیگر فنون لطیفہ کے ان نادر نمونوں پر کھینچا پیرکول پھیر دیا گیا اور ف کہیں ان پر پلستر چھپ دیا گیا۔ اکثر اوقات لوہے کی چھنی اور پتھر سے کا استعمال بھی کیا گیا۔ اس بے مثال گستاخی کے نشانات آج تک حجاز کے طول و عرض میں اور خاص طور پر کعبہ کی پرانی مسجد اور مسجد نبوی ﷺ کے در و دیوار پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کا نام مٹانے کے بعد سعودیوں نے ایک باقاعدہ نظام کے تحت حیات طیبہ سے مستحکم تقریباً ہر تاریخی و خیالی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشان کو اپنی زندقہ اور قلیل بر عقیدے کا ہدف بنایا۔ جنت معلیٰ اور جنت البقیع کے قبرستان کہ جن کی بھر بھری خاک میں حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالب، ورقہ بن نوفل، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن، آپ کی صاحبزادیان رضی اللہ تعالیٰ عنہن، آپ کے عناصر ادگان اور خاندان کا رسول کے دیگر ائمہ و اصحاب کرام اور ان کے پورے پورے خاندان، مشائخ و معونین کرام و ناموران

اور وہ اور ان چیزوں کی چپا۔ ستونوں سے محبت اور ایمان کی خاطر آئے ہوئے ان محنت گزار
مسلمانوں کی اور شہر چھٹی سے ہوتے تھے وہاں کے مشنری مل چلا کر کھوڑا لے گئے اور پھر
پہلا پتھر رکھ کر برابر کمرہ درختے لگے۔ بعد میں جنت البقیع کے سامنے سڑک کے ساتھ قائم
شہر لے کر ام کے مزار سڑک کو پہنچا کر دالے کی نظر ہوئے اور حضرت عبداللہ ابن
عبید المطلب کے مزار اور بنا ہوئے ایک بازار کی توسیع کے دوران مائیں راست غائب کروا دیا
میں اب ابوطالب کا محل رہا۔ وہ وقت بنی نوفل کی ولید بن ام ہانی کا آگن رہا اور نہ ہی وہ دار قلم
کی جگہ کرانے کی ضرورت کیوں کا اذ ہے اور وہاں ہانی کا گھر کہ جس کے آگن میں دو وقت
مل کر ایک ہوئے تھے، تو وہ مسجد حرام کی "توسیع" کے دوران منہ کر بے نشان ہو چکا
ہے۔ آپ حضرت عبداللہ کی قبر کی ضروری ہوا اس تک چتا وہ راست بھی نہ رہا کہ جس پر
نوبت کا ایک بچہ آخری بار بھی کمرہ دیا تھا اور نہ ہی وہ پلنگہ بنی رہی کہ جس پر ایک ضعیف
انسان اپنی چادر میں ایک ڈراپیدہ بچے کو لپیٹ کر لے چلا تھا۔ ہاں اس بے وضع عمارت
کے منائے ہیں جو ابوطالب کے محل کو کھو کر رہائی گئی ہے۔ ایک گھر اور اس کا وہ شمالی کمرہ کہ
میں میں چار آگنوں کی اڈت میں کچی کھار چار نمٹیں ملی تھیں، ابھی تک بمشکل موجود
ہے۔ مگر اس کمرے میں عربی سے سفیدی نہیں ہوئی ہے نہ ہی تیسرے چاند کے بارہویں
دن معصوم بچے عداوت کرنے میں گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کمرے کے شمال کی جانب
ایک روٹن دان ضرور موجود ہے مگر اس سے اب شمال کا ستارہ نہیں دیکھ سکتے کہ متعدد منزلوں
کی وہ بدوشی سے رستہ کے چٹائیوں کے اودھ میں نکلی تھی راستے میں سائل ہے اور رہے
پرندے تو ان کے آواز کرتے کاروان تو اس شہر میں کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔

اور ہاں اگر آپ اس گھر میں جس میں روضہ للعالمین رحمۃ اللہ علیہ کا قہر ہوا تھا، داخل
نکرا لے کے نزدیک اس عظیم ترین رحمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا شروع ہے۔

یہاں حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر اور اس کمرے کے بارے میں بھی

میں لپیٹے کہ جہاں اعجاز کا ایک بنیادی لمحہ گزرا تھا، وہ کمرہ اور گھر بھی شہر صدیقی سے حافظ
قرآن رنگ سازوں کا انتقال کرتے کرتے اب ایک صرافہ بازار سے گھر چکے ہیں۔

آخرت کے راستے کا نشان تک مٹ چکا ہے۔ نئی حکومت نے سکے سے مدینے
تک جانے کا نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ راستہ سکے سے مقام پور تک سندھ کے ساتھ ساتھ
چلتا ہے اور وہی ہے کہ جس سے ابو سفیان، لشکر اسلام کی روانگی کی خبر سن کر اپنے قافلے کو بچا
کر سکے کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

بدینے پہنچتے ہی انسان مسجد قبا کا رخ کرتا ہے کہ جس کے سامنے دالے احاطے
میں وہ نہایت قدیم کنواں تھا کہ جس کے پانی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مبارک دیکھا تھا، پھر چند
برس ہوئے اس کنوئیں کو بھی پتھری بڑی بڑی سیلں رکھ کر بند کیا جا چکا ہے۔ استفسار پر نہایت
خشکی کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مشنری پمپ ایجاد ہو چکے ہیں، اس واسطے اب اس
کنوئیں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب ٹھیکست و بخت کا یہ وحشت ناک عمل شروع ہوا تھا تو
مربہ قبیلے کے سردار نے ترکوں کی ہائی ہوئی گنبد فطری والی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو گنبد فطری
سمیت منہدم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ پھر بہت بڑی بڑی اور اپنے وقتوں کی طاقتور ترین
مشینیں منگوائی گئی تھیں اور پھر ایک ٹکڑے کے ستون سے شروعات کی گئی تھیں۔ وہاں تک یہ
مشینیں اپنی پوری طاقت سے اس ایک ستون سے ٹکرا کر اس کو گرائے یا توڑنے کی
کوشش کرتی رہی تھیں مگر یہ ستون زور برابر بھی اپنی جگہ سینہ ہلاتا تھا۔ آخر اس کی جڑوں کو
باوضو حافظ قرآن امیر بندوں کے ایمان، عشق اور ریت کے سیپے نے تھما ہوا تھا، یہ کیسے اپنی
جگہ سے ہٹا۔ جب طاقتور ترین مشینوں کی دوبارہ تک مسلسل کوشش کے باوجود ایک ستون بھی
اپنی جگہ سے ایک انچ نہ مل سکا تھا تو مسجد نبوی کو منہدم کر دینی کوشش طوعاً و کرہاً روک دی گئی
تھی۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ستون کے اس عمل کے نشانات آج تک موجود ہیں۔

سواب کس کس کا بیان کروں، کسی نقش اول کو عقیدے کے قلب نے مٹا دیا تو

کسی کو دل کی قلت نے، اور چونکہ ان دونوں کی گرفت میں نہ آ سکے، ان کو بے اعتنائی اور ہمدردی میں جس کے فقدان نے، اگر بھی برسرِ اقتدار لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھو، تو اولیٰ تو اس پر صغیر کے محبت کے بارے میں سناؤں کو اس لائق ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کو کوئی جواب دیا جائے۔ اگر کوئی مجبور کرے، تو پھر ردِ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی "توسیع" اور "شرک" کیا "توسیع" کسی اور انداز، جو صلے اور قریے کے ساتھ نہ کی جاسکتی تھی کہ جس طرح ترکوں نے کی؟ اور کیا "شرک" کو مٹانے کی طریقہ صرف یہی تھا کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہادقا ہڈیوں کے نشان کو مٹا دیا جائے؟؟؟

شرک کی حقیقت

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ۔ (سورۃ النساء: ۳۶)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں: "وبالجملة شرک بہ قسم است در وجود در حقیقت و در عبادت. (اصول الایمان جلد ۱ ص ۲۶۷)

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح پر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے دوسرا یہ کہ کسی اور کو اس کے سوا حق تعالیٰ خالق جانے یا کہنے، تیسرا یہ کہ عبادت میں غیر خدا کی عبادت کرے یا اس کو مستحق عبادت سمجھے، اسلام میں شرک کی صرف تین صورتیں ہیں۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی شہت فرماتے ہیں: "۱۔ شرک فی الذات یعنی عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسا کہ نبوی خیر اور شرک دو مستقل خلق مانتے ہیں۔ ۲۔ شرک فی الصفات یعنی بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم جنسیت کا ہوتا ہے۔ جیسا بیٹا ہونا، زوجہ ہونا، بھائی، بھتیجا، بھانجا وغیرہ ہونا اور مشرکین عرب فرشتوں و ستاروں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ ۳۔ شرک فی الاعمال یعنی کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ ان کے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسا کہ بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔"

(تفسیر نعیمی، ملاحظہ ہو ص ۵، ص ۱۳۹)

دریغ بالا بحث کی روشنی میں غور کیجئے کہ آج بھی کسی مسلمان نے کسی ولی بنوٹے، قطب یا نبی و رسول کے متعلق خواہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس ہی ہو، ایسا اعتقاد رکھا ہے؟ اگر نہیں اور نہ ہو، انہیں تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو شرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مشرکین تک اور کفار عرب کے حق میں نازل ہوئیں، مسلمانوں پر چنچیاں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے صاف نکل جائے گا اور اسے جس پشتِ ذال دے گا اور اپنے پیڑھوں پر تکیہ کرنا شروع کر دے گا اور اسے شرک سے معذور و مہنوب کر دے گا۔ (یعنی شرک کا فتویٰ لگائے گا)۔
(حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ! شرک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ شرک کی تہمت لگایا وہاں شرک کی تہمت لگانے والا؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک کسی تہمت لگانے والا شرک کا زیادہ حق دار ہے۔ (یہ سند حید ہے) آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں انبیاء و صلواتہم علیہم و آلہم و سلمین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔



